اسلام میں ملکیت زمین کے قوانین اور جاگیردارانہ نظام

(ایک تاریخی تجزیہ)

محمد اقبال وسیر

چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کا جزیرہ نمائے عرب میں ظہور ہوا۔ عربوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا لیکن زراعت کا پیشہ مفقود نہیں تھا۔ البتہ بعض مقامات پر محدود پیمانے پر زراعت ہوتی تھی۔ کیونکہ عرب طبعی لحاظ سے صحرائی' پہاڑی اور نیم پہاڑی سلسلوں پر مشتمل تھا۔ عرب میں ملکیت زمین کا قانون نہایت سادہ اور آسان تھا' اس زمانے میں قابل زراعت زمین کے بارے میں انفرادی ملکیت کا تصور موجود تھا۔ اس وقت عرب سوسائٹی میں نراجی کیفیت تھی اس لئے طاقت کے بغیر انفرادی ملکیت کا تصور ناممکن تھا۔ رسول ﷺ (۵۷۱ء - ۶۳۲ء) کے دادا جناب عبدالمطلب کی اراضی طائف میں واقع تھی جس میں ذولہرم کنواں بھی تھا اس اراضی پر طائف والوں نے زبردستی قبضہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی قبائلی عصبیت کے بل بوتے پر اپنی زمین سے ناجائز قبضہ ختم کرایا۔[۱] طائف میں قریش مکہ کی زمینیں تھیں جن میں باغ بانی اور زراعت ہوتی تھی' ان زمینوں کی ملکیت قریش مکہ کی حیثیت کی وجہ سے قائم تھی۔ بنجر اور غیر آباد کی ملکیت کے بارے میں یہ اصول تھا کہ یہ کسی فرد یا قبیلہ کی ذاتی ملکیت میں نہ تھی البتہ اگر کوئی شخص ایسی زمینوں میں سے کچھ حصہ آباد کر لیتا تو وہ اس کا مالک بن جاتا لیکن غیر آباد زمین پر کسی کا حق نہ تھا' ایسی زمین پر اگنے والی گھاس اور جھاڑیوں سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس اصول میں تبدیلی استحصال اور طاقت کے عدم توازن کی وجہ سے ہوئی۔ ایک رواج بنا کہ کسی با اثر قبیلے کا سردار اس سے کسی سرسبز زمین کو دیکھتا اور طاقت کے بل بوتے پر اعلان کر کے اسے اپنے لئے اور اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیتا۔ کمزوروں کو ان علاقوں میں مویشی چرانے کی اجازت نہ ہوتی' حد بندی کا یہ طریقہ تھا کہ ایک کتے کو بلند جگہ کھڑا کر لیا جاتا جہاں تک اس کی آواز جا سکتی وہ علاقہ اس سردار کیلئے مخصوص ہو جاتا۔[۲] بعد میں مدینہ کی اسلامی ریاست میں رسول اللہ ﷺ نے اس اصول کو ختم کر دیا۔[۳]

پہلی ہجری میں میثاق مدینہ کے بعد مدینہ کی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی۔ اس اسلامی ریاست کے سربراہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ اس نئی اسلامی ریاست کے لئے سیاسی، دفاعی مسائل کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل بھی اہم اور گھمبیر تھے جنہیں حل کرنا اسلامی ریاست کیلئے بنیادی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ مدینہ میں زراعت میں کافی پیش رفت ہو چکی تھی اور مقامی آبادی میں سے اکثریت کا ذریعہ معاش زراعت تھا اور وہ یہود کے مقروض تھے اسی وجہ سے زمینوں کی نجی ملکیت کا تصور پہلے ہی سے موجود تھا کیونکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت دو یتیم بچوں سے زمین معاوضہ دے کر حاصل کی گئی تھی۔

ابو عبید (۸۳۷ء / ۲۲۴ھ) ابن عباس سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں (مدینہ) کے باشندوں نے وہ تمام اراضی جن تک پانی نہیں پہنچتا تھا آپ ﷺ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے ان زمینوں کو کام میں لائیں۔[۴] اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے یہ زمین بنجر اور بیکار ہو گی، انہیں مزید محنت و مشقت کر کے قابل کاشت بنایا جا سکتا تھا جبکہ قابل کاشت زمینوں پر اہل مدینہ بدستور کاشت کاری کرتے رہے۔ اسلامی حکومت نے قدیم قبضہ کے اصول کو حق ملکیت تسلیم کر کے اسے قانونی حیثیت دے دی۔ یحییٰ بن آدم (۸۱۸ء / ۲۰۳ھ) ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "زمین کی اصل ملکیت اللہ اور اس کے رسول کی ہے اس کے بعد ان کی جو اس اراضی کو قابل کاشت بنائیں گے"۔[۵] مدینہ کی بنجر اور بیکار زمین اسلامی حکومت کی تحویل میں آ گئی۔ ابوعبید، طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قدیم اور غیر آباد زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے، بعد ازاں تمہارے لئے ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ میرے دریافت کرنے پر راوی نے اس حدیث کا مطلب یہ بتایا ایسی زمین ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے اور ان کی ملکیت ہو جائے۔[۶] رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے مناسب روزگار کا مستقل بندوبست کرنے کی خاطر انہیں بنجر اور غیر آباد زمینوں میں سے کچھ بطور قطعات عام مسلمانوں کو عطا فرمائیں تاکہ وہ ان زمینوں کو قابل کاشت بنا سکیں اور ان لوگوں کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست بھی اناج میں خود کفیل ہو سکے۔ کاشت کاری کے لئے ملنے والی زمین کی حدود متعین اور مقرر تھی، یہ اراضی آباد ہونے

کے بعد آبادکار کی نجی ملکیت ہو گئی۔ انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرنے کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔

انفرادی ملکیت کو تحفظ دینے اور کاشت کاروں کو استحصالی طبقہ کی زیادتی سے نجات دلانے کی خاطر آپ ﷺ نے مزید احکامات جاری فرمائے۔ اس بارے میں ام المومنین عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں' جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لے اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔[۷] سعید بن زیدؓ اور عبداللہ بن عمرابو ہریرہؓ نے بھی اس طرح کی روایات بیان کی ہیں۔[۸] زراعت کے میدان میں اسلامی حکومت نے ظلم کو روکااور مساوات قائم کی۔ عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا ظلم کیا ہے "آپ نے فرمایا ایک گز زمین بھی کوئی مسلمان شخص اپنے بھائی کے حق میں سے کم کرے....."۔[۹] ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "کہ اللہ کے نزدیک عظیم ترین خیانت ایک گز زمین (میں خیانت ہے)۔[۱۰] سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو شخص زمین کا کچھ حصہ کسی جائز وجہ کے بغیر لے لے تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ اس سے کوئی معاوضہ یا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔[۱۱] اسلامی حکومت کو صدقات میں بھی زمینیں ملیں۔ سب سے پہلے مخریق یہودی کی زمین ملی۔ یہ اہل علم تھے اور غزوہ احد کے موقعہ پر آپ پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے۔ ان کے قبضہ میں سات قطعات اراضی تھے۔ انہوں نے اسلام لانے کے بعد ان زمینوں کی ملکیت اسلامی حکومت کو وصیت کر دیں۔ یہ زمینیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں آ گئیں۔[۱۱]-(ا) ان زمینوں کو اسلامی حکومت نے غریب کسانوں میں تقسیم کیا۔

بنو نضیر میثاق مدینہ کی خلاف ورزی اور اپنی شرارتوں کی وجہ سے جلاوطن ہوئے۔ ان کی متروکہ جائداد میں اراضی اور نخلستان تھے' یہ اراضی اور نخلستان مدینہ کی اسلامی ریاست کے قبضہ میں آئے۔ تاریخ اسلام کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ مسلمانوں کو مال غنیمت میں زرعی اراضی حاصل ہوئی۔ اس اراضی کے استعمال کے بارے میں حکمت عملی یہ اختیار کی گئی کہ جو مالکان اراضی مسلمان ہو گئے وہ بدستور اپنی ملکیت و مقبوضہ اراضی کے مالک رہے۔[۱۲] بقیہ اراضی فئے قرار دے کر اس پر مسلمانوں کو حق دے دیا گیا۔[۱۳] اس اراضی کا رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ حکومت انتظام کرتے تھے۔ یہ اراضی فئے اس لئے قرا دی گئی کہ اسلامی ریاست کی حدود میں واقع تھی اور اس اراضی کے مالکان

معاہدے کے مطابق نقل مکانی کر چکے تھے اور اب اسلامی حکومت کی حدود میں موجود نہ تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس اراضی کو صرف مہاجرین میں تقسیم کیا۔ لیکن انصار میں سے سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک کو اراضی دی گئی، کیونکہ یہ دونوں نہایت ہی غریب تھے۔[۱۴] اسلامی ریاست کی اس حکمت عملی سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ افلاس زدہ کسانوں کو زمین فراہم کرے تاکہ وہ پیٹ پال سکیں اور ریاست کو مالی فائدہ دے سکیں۔ جن لوگوں کو یہ زمینیں فراہم کی گئیں وہ بے زمین کسان تھے اس کے علاوہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ غزوہ بنو قریظہ کے نتیجہ میں زرعی اراضی مسلمانوں کو حاصل ہوئی اس کی کیفیت یہ تھی کہ اس کے مالکان سزائے موت پا چکے تھے اور اس اراضی کا کوئی دعویٰ دار (مدینہ کی اسلامی ریاست میں) موجود نہ تھا اور نہ ہی اس اراضی کا وارث تھا اس لئے اس اراضی کو بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔[۱۵]

محرم ۷ ہجری میں غزوہ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ کے نتیجہ میں زرعی اراضی حاصل ہوئی اس اراضی کی نوعیت سابقہ غزوات میں ملنے والی اراضی سے مختلف تھی۔ کیونکہ بوقت فتح اس اراضی کے قابضین موجود تھے ان سے اسلامی حکومت نے زبردستی زمین قبضہ میں نہ لی بلکہ ان سے یہ معاہدہ کیا گیا کہ وہ اپنی زمین پر بدستور (یہود) کاشت کریں گے اور اسلامی حکومت کو پیداوار کا نصف حصہ دیں گے۔[۱۶] مسئلہ خیبر سے عام طور پر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ فتح خیبر کے بعد اس علاقہ کی زمینوں کو مسلمانوں میں بطور جاگیر تقسیم کر لیا گیا۔[۱۶-(ا)] اگر ہم خیبر کے مسئلہ کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے لوگوں کو زمینوں سے بے دخل نہیں کیا گیا اور وہ اپنی زمینوں پر کاشت کرنے میں بالکل آزاد اور خود مختار تھے۔ اہل خیبر اور رسول اللہ کے درمیان معاہدہ کے مطابق ریاست مدینہ صرف آدھی پیداوار کی حقدار تھی۔ ریاست مدینہ کے سرکاری افسر عبداللہ بن رواہ حصہ پیداوار اہل خیبر سے وصول کرتے، یہ خراج کی ایک قسم تھی اس خراجی حصہ کو پھر مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ علاقہ خیبر میں غیر آباد اور بنجر زمینوں سے جاگیریں دی گئی ہوں یا ان مالکان کی جو اسلامی ریاست کی حدود میں موجود نہ تھے۔ مگر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مدینہ کی ریاست نے کسی غیر مسلم کی زیر قبضہ اراضی پر جبراً قبضہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی ایسی مثال ہے کہ کسی مالک اراضی سے زبردستی لی گئی ہو۔

اہل فدک نے بھی نصف حصہ زمین پر رسول اللہ سے معاہدہ کر لیا یہ نصف حصہ اراضی مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پایا۔[۱۷] بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہود کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ملک شام کی طرف نکال دیئے گئے لیکن انہیں ان کی زمینوں کی قیمت فریقین کی مقررہ کمیٹی (مالک بن شیبان' سہیل ابن حشمہ اور زید بن ثابت) نے طے کی اور آدھی قیمت ساٹھ ہزار درہم ان کے حوالے کر دی گئی۔[۱۸] اسلام کے اولین دور میں غیر مسلم مالکان اراضی کو زمینوں سے زبردستی بے دخل نہیں کیا جاتا تھا۔ وادی القریٰ (۷ھ) کے علاقے کی اراضی اور نخلستان مسلمانوں کے زیر قبضہ آ گئے۔ اس علاقہ کی اراضی پر موجود کاشتکاران بدستور قابض رہے ان سے آدھی پیداوار پر معاملہ طے ہوا۔[۱۹] اہل تیما نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی اراضی کے بارے میں جزیہ دینے پر معاہدہ کیا' نتیجتاً" وہ اپنی اراضی پر قابض رہے۔[۲۰] فتح مکہ (۸ھ) کے بعد اہل طائف نے صلح کی پیش کش کی آپ نے اس شرط پر اہل طائف سے صلح کی کہ اگر اہل طائف مسلمان ہو جائیں تو وہ اپنی زمینوں کے بدستور مالک رہیں گے۔ آپ نے اہل طائف کو اس بات کی تحریری ضمانت بھی دی۔[۲۱]

جوں جوں اسلامی ریاست کی حدود میں توسیع ہوتی گئی رسول اللہ نے اسلامی ریاست کی زمینوں کے بارے میں بندوبست اراضی کا اعلان فرمایا۔ آپ نے زیر کاشت اراضی کو ان قبائل اور افراد کی ملکیت میں رہنے دیا جن پر ان کا قبضہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا تھا۔ مگر اس میں دو شرائط تھیں جن میں سے ایک کا پورا کرنا لازم تھا اولاً" یہ کہ وہ اسلام قبول کریں دوم یہ کہ اس اراضی کے سرکاری واجبات ادا کریں۔[۲۲] اس سلسلہ میں اسلامی حکومت اور مختلف قبائل کے درمیان معاہدے بھی طے پائے اور ان کی تحریریں بھی قبائل کو لکھ دی گئیں کہ وہ جس زمین کی ملکیت رکھتے ہوئے اسلام لائے وہ زمین اور اس کی فصلات اور نخلستان اسی قوم کے رہیں گے' بنی معاویہ بن جدول اور بنی معین کے ساتھ ایسے معاہدے طے پائے۔[۲۳]

رسول اللہ ﷺ نے جو جاگیریں عطا فرمائیں یہ جاگیریں ان زمینوں میں سے تھیں جو مدینہ کی اسلامی ریاست میں شامل تھیں۔ بلال بن حارث مزنی (۲-۷۔۶۰) کو وادی عتیق میں جاگری عطا فرمائی تھی۔[۲۴] رسول اللہ ﷺ نے قبائل کو بھی اجتماعی جاگیریں مختلف مقاصد کیلئے عطا فرمائیں۔ جبکہ اجتماعی جاگیروں کے علاوہ مختلف لوگوں کو انفرادی جاگیریں بھی عطا فرمائیں۔ رسول اللہ نے اسلامی

حکومت میں شامل شدہ علاقوں کی بنجر زمینوں کی آبادکاری کی خاطر مسلمانوں کو انہیں زمینوں میں سے جاگیریں عطا فرمائیں۔ ابو عبید، عدی بن حاتم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرات بن حیان عجلیؓ کو یمامہ میں ایک جاگیر عطا فرمائی۔[۲۵] اسلامی ریاست میں امیر ریاست کو جاگیریں دینے کے محدود اختیارات ہیں۔ امیر ریاست صرف انہیں زمینوں میں سے جاگیریں دے سکتے ہیں جن پر اس کے اختیارات حاکمیت تسلیم کئے جاتے ہوں۔ لیکن ان مالکان کی اراضی بطور جاگیر دینے کے اختیارات نہیں ہیں، جن زمینوں کے مالکان موجود ہوں۔[۲۶] جاگیر میں دی جانے والی زمین خالصتاً حکومت کی ملکیت ہونی چاہئے۔ یہ زمین کسی مسلم کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی معاہد کی اور نہ ہی اس زمین کے دینے سے عوام کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اور خود زمینوں کا دینا حکومت کی آمدنی میں اضافہ کا باعث ہو۔ اس قسم کی جاگیریں دینے کی مثالیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں موجود ہیں۔[۲۷] رسول اللہ ﷺ کا جاگیریں عطا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جاگیریں حاصل کرنے والے خوش حال ہوں۔ اسلامی جاگیرداری کی تہہ میں صرف اسلام اور عامتہ المسلمین کی فلاح و بہبود کا جذبہ کار فرما تھا۔ اس کے علاوہ دیگر کوئی مقاصد نہ تھے۔ اسلامی ریاست میں امیر ریاست کو جاگیریں دینے کے محدود اختیارات ہیں۔ وہ (امیر) صرف ان زمینوں کو جاگیر میں دے سکتے ہیں جو بنجر اور کبھی آباد نہ ہوئی ہوں۔[۲۸] جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع کی غیر آباد زمینوں میں سے زبیر بن عوام کو جاگیر عطا فرمائی۔[۲۹] ان زمینوں میں سے جاگیریں دینا جائز ہے جو عہد جہالت کی زمین یعنی عاد و ثمود کی زمینوں کی طرح ہوں کیونکہ رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ عادی زمین اللہ اور رسول ﷺ کی ہیں پھر میری طرف سے تمہاری ہیں۔[۳۰] ان شاہی خاندانوں کی ملکیت و مقبوضہ اراضی، ان کے رشتہ دار اور اہل خاندان کی اراضی بھی بطور جاگیر دی جا سکتی ہے جو اسلامی حکومت سے جنگ میں شکست کھا چکے ہوں مگر ان زمینوں پر ان افراد میں سے کسی کا قبضہ نہ ہو۔[۳۱] اسلامی ریاست میں جزیہ والی زمین بطور جاگیر نہیں دی جا سکتی۔ ابو عبید، عوف بن ابی جمیلہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کا وہ خط ابو موسیٰ اشعری کے نام لکھا گیا، پڑھا اس میں لکھا تھا "ابو عبداللہ نے مجھ سے ساحل دجلہ پر زمین مانگی ہے اگر یہ جزیہ کی زمین نہ ہو اس پر جزیہ کا پانی نہ پہنچتا ہے تو انہیں دے دو۔[۳۲] امیر ریاست ایسی بنجر زمینوں میں سے جاگر نہیں دے سکتا جن کے مالک موجود

ہوں ان کے مالک ان زمینوں کو بیع کرنے، آباد کرنے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اگر ان زمینوں کے مالک اس وقت معلوم نہ ہوں تو جاگیر دینا جائز ہے۔[۳۳]

جاگیر عطا ہونے کے بعد اسے آباد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اسلامی حکومت میں جاگیر عطا کرنے کا مقصد بھی بنجر اور بیکار زمینوں کی آبادکاری ہے۔ اس اراضی کو جو مکمل طور پر آباد کرے گا وہ ہی جاگیر کا مالک ہو سکے گا۔ اگر جاگیر دار اس اراضی کو کسی وجہ سے آباد نہیں کر سکتا تو وہ اس جاگیر کا مالک تصور نہیں ہو گا۔[۳۴] حضرت عمرؓ کا فرمان ہے اگر جاگیردار اپنی اراضی کو تین سال تک بغیر کاشت کے خالی چھوڑ دیتا ہے اور کوئی دیگر شخص اگر اس زمین کو کاشت کر لیتا ہے تو وہ (آباد کنندہ) اسے حاصل کرنے کا حق دار ہو گا۔[۳۵] مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امام ابو یوسف کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ طاؤس (تابعی) کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر مملوکہ زمین جس کا کوئی والی وارث نہ ہو خدا اور رسول ﷺ کی ہیں پھر اس کے بعد وہ تمہارے لئے ہیں۔ پس جو کوئی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس کی ہے اور بے کار روک کر رکھنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔[۳۶]

اگر جاگیردار اراضی کا کچھ حصہ آباد کر لیتا ہے اور کچھ حصہ غیر آباد رہنے دیتا ہے تو جتنا حصہ جاگیردار آباد کرے گا وہی اس کا ہو گا۔ بقیہ حصہ پر اس کا کوئی حق نہ ہو گا۔ اس بارے میں یحیی بن آدمؒ نے طاؤسؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جاگیر بخشی تھی یہ شخص اس کو مکمل آباد نہ کر سکا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ شخص اس جاگیر میں سے اتنی زمین رکھے جتنی زمین اس نے حقیقی طور پر آباد کر رکھی ہے۔ بقیہ اراضی دوسروں کے حوالے کر دے۔[۳۷] بلال بن حارث مزنی کی جاگیر وادی عتیق میں تھی یہ جاگیر انہیں رسول اللہ کی طرف سے ملی ہوئی تھی۔ لیکن بلال اس ساری جاگیر کو آباد کرنے کے قابل نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے بلالؓ سے غیر آباد اراضی واپس لے لی۔[۳۸] جاگیروں کی ضبطی کے بارے میں ابوحنیفہ کا قول ہے اگر جاگیردار اپنی جاگیر تین سال تک آباد کر لیتا ہے تو وہ اس جاگیر کا مالک بن جائے اگر وہ ایسا کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس جاگیر کے عطا ہونے والا حکم باطل ہو جائے گا کیونکہ حضرت عمرؓ نے جاگیروں کو آباد کرنے کی مدت تین سال مقرر کی تھی جبکہ شافعی کا مدت برائے آبادکاری میں اختلاف ہے۔ ان کی رائے ہے کہ آبادکاری کے لئے مدت مقرر کرنا درست نہیں اتنا عرصہ ہونا چاہئے جس میں جاگریدار باسانی اس اراضی کو آباد کر سکے۔[۳۹]

جاگیردار کسی وجہ سے جاگیر آباد نہیں کر سکتا اور کوئی دوسرا اس اراضی میں زبردستی داخل ہو کر آباد کر لیتا ہے۔ اس صورت میں شافعی کہتے ہیں کہ جاگیردار اس جاگیر کا زیادہ حق دار ہے۔ اور آباد کنندہ کا کوئی حق نہیں۔ ابوحنیفہ کی رائے میں اگر جاگیردار تین سال کے اندر آباد کر لیتا ہے تو اس کا مالک جاگیردار ہو گا ورنہ تین سال کے بعد جاگیر آباد کنندہ کی ملکیت ہو جائے گی۔ امام مالک کا خیال ہے کوئی شخص کسی جاگیر کی ملکیت کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے آباد کر لے تو جاگیردار ہی اس جاگیر کا مالک ہو گا۔ لاعلمی کی صورت میں جاگیردار کو اختیار ہو گا کہ یا تو اپنی جاگیر لے کر آباد کنندہ کا خرچہ آبادکاری دے یا زمین آباد کنندہ کو دے کر وہ قیمت وصول کرے جو غیر آباد کی ہو سکتی تھی۔[۴۰]

اگر کسی مرحلے پر عطا شدہ جاگیر کے بارے میں اسلامی حکومت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ اس جاگیر کا نجی ملکیت میں رہنا اجتماعی مفاد کے خلاف ہو گا تو وہ اس جاگیر کو واپس لے سکتی ہے۔ ابوعبید نے روایت کی ہے، رسول اللہؐ نے ابیض بن حمال کو علاقہ مارب بطور جاگیر عطا فرمایا کیونکہ آپ نے یہ سمجھ کر اسے دے دیا تھا کہ یہ علاقہ غیر آباد ہو گا جسے ابیض آباد کریں گے مگر جب آپ کو معلوم ہوا اس جاگیر میں چشموں اور کنوؤں کی طرح بڑا قیمتی، سدا بہنے والا پانی کا خزانہ ہے تو آپ ﷺ نے ان سے یہ علاقہ واپس لے لیا۔[۴۱] جن زمینوں میں اللہ تعالیٰ نے دھاتیں پیدا فرمائی ہیں اگر وہ ظاہری حالت میں موجود ہیں جیسا کہ سرمہ نمک کوئلہ وغیرہ تو ایسی اراضی بطور جاگیر نہیں دی جا سکتی کیونکہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے استعمال کے حقوق متاثر ہوں گے۔[۴۲] اس کے علاوہ اگر جاگیر میں دھاتیں مدفون ہیں مثلاً" سونا چاندی پیتل لوہا جیسی دھاتیں تو ان زمینوں کو جاگیر میں دینے کے بارے میں متضاد آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جاگیر میں نہیں دی جا سکتی مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ جاگیر میں دی جا سکتی ہیں۔[۴۳] علاوہ ازیں گھاس پانی نمک عوام کی مشترکہ ملکیت ہیں لہٰذا انہیں جاگیر میں نہیں دیا جا سکتا۔ جاگیریں زمیں میں سے دوران آبادکاری کوئی دھات حاصل ہوتی ہے تو جاگیر کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو گا۔[۴۴]

چھٹی صدی میں حکومتوں کیلئے دفاع خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ اس زمانے میں دفاع میں گھوڑوں کو اہم حیثیت حاصل تھی۔ اسلامی حکومت بھی ان حالات میں اپنے دفاع سے غافل نہیں رہ سکتی تھی۔ اسلامی حکومت میں گھوڑوں کی پرورش کی خاطر جاگیریں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن ان جاگیروں کے

عطا کرنے میں وہی قواعد و ضوابط لاگو ہوں گے جو عام جاگیروں کیلئے ہوتے ہیں۔ ابو عبید کی روایت ہے کہ گھوڑوں کی افزائش نسل کا کام کرنے والے ثقفی قبیلے کے ایک شخص ابو عبداللہ نافع نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہماری طرف بصرہ میں ایسی زمین ہے جو خراجی نہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو اس سے کوئی نقصان ہو گا۔ اگر آپ مناسب تصور فرمائیں تو وہ مجھے بطور جاگیر عطا کر دیجئے' میں اس اراضی میں اپنے گھوڑوں کے لئے چارہ پیدا کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا اگر وہ زمین ایسی ہے جیسی یہ بیان کر رہے ہیں تو انہیں بطور جاگیر دے دو۔[۴۵] دیگر مفید اور دودھ دینے والے جانوروں کی پرورش کے لئے بھی اسلامی حکومت جاگیریں عطا کر سکتی ہے۔ ایسی جاگیروں کی حیثیت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا' ان جاگیروں پر صرف جانوروں کی پرورش کی خاطر کاشت کاری کی جائے گی۔ اگر کسی وجہ سے جاگیردار معاہدہ جاگیر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو جاگیر ضبط کی جا سکتی ہے اس قسم کے جاگیر دار کے خلاف تادیبی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔ ابوعبید روایت کرتے ہیں کہ عطیہ بن قیس کہتے ہیں کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے دمشق میں اندر کسان کے علاقے میں اپنے گھوڑے باندھنے کے لئے کچھ زمین مانگی۔ چنانچہ انہوں نے وہاں ایک قطعہ انہیں دے دیا لیکن جب ان لوگوں نے وہاں کھیت لگا لئے تو حضرت عمرؓ نے نہ صرف ان سے قطعہ واپس لے لیا بلکہ وہاں زراعت کرنے کی وجہ سے ان پر جرمانہ بھی کیا۔[۴۶]

اسلامی ریاست میں جاگیر کی حیثیت ذاتی ملکیت کی نہیں ہوتی بلکہ جاگیردار صرف آباد کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں جاگیر دار آبادکاری کی غرض سے مالک بنا دیا جاتا ہے یا یہ جاگیر مدت العمر کے لئے اس کو بخش دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جاگیر سے تعلق از خود ختم ہو جاتا ہے۔[۴۷] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاگیردار کا تعلق اس کی زندگی تک جاگیر کے ساتھ رہتا ہے اس کے مرنے کے بعد یہ جاگیر موروثی نہیں رہتی۔

اسلامی ریاست کی حدود میں ابوبکرؓ کے دور حکومت میں وسعت شروع ہوئی۔ آپ کا دور ریاست کو مستحکم کرنے کا زمانہ تھا اور حکومت کو مختلف مسائل کا سامنا تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ والی زرعی پالیسی میں فرق نہ آیا۔ ابوبکرؓ نے جاگیریں عطا کرنے میں رسول اللہ ﷺ والی پالیسی جاری رکھی۔ زرعی حکمت عملی میں نئے اقدامات اس لئے نظر نہیں آتے کیونکہ ابھی فتوحات

کی ابتدا تھی۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مصری، ایرانی علاقے فتح ہوئے مصری علاقوں کی اراضی کا زیادہ تر حصہ بڑے بڑے جاگیرداروں کے پاس تھا۔ یہ جاگیریں غریب مزارعوں سے کاشت کرائی جاتی تھیں۔ شاہی جاگیروں کے علاوہ بڑے بڑے جاگیردار بھی موجود تھے جنہیں وسیع جاگیروں کی وجہ سے علاقے میں اعلیٰ سماجی اور معاشی حیثیت حاصل تھی۔[۴۸] ایرانی سوسائٹی میں بھی بااثر خاندان بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ موضع کے سردار کو دھقان کہتے تھے۔ یہ جاگیردار سے کم حیثیت کا مالک تھا۔ دھقان کی بنیادی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ کسانوں سے مالیہ وصول کر کے حکومت کو ادا کرے۔ ایرانی حکومت کی معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا۔ اس نظام میں کسان ہی کلیدی حیثیت کا تھا لیکن جاگیردار دھقان اور کسان کو زرعی غلام تصور کرتے تھے۔[۴۹] ان علاقوں کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں کوئی حتمی حکمت عملی طے کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر صلاح مشورے کئے گئے۔ بعض مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ اس اراضی کو مال غنیمت کی طرح مسلمانوں میں تقسیم کر لیا جائے، اس لئے مصر کے گورنر عمرو بن العاص نے اس بارے میں امیرالمومنین سے رہنمائی چاہی تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ فی الحال اسے تقسیم کے بغیر چھوڑ دو۔[۵۰] دیگر مسلمانوں کی رائے تقسیم اراضی کے خلاف تھی، جب حضرت عمر جابیہ گئے تو معاذ نے ان مفتوحہ زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے عمر نے پسند کیا اور معاذ کے ہم خیال ہو گئے۔[۵۱] ابوعبید نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت علی نے بھی وہی رائے دی جو معاذ نے دی تھی۔ ان آراء کے بعد حضرت عمر نے سعد ابن ابی وقاص کو لکھا اور ہدایت کی کہ تم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مفتوحہ زمینیں تقسیم کریں۔ میرے خط کے بعد یہ زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو۔[۵۲] اس حکم کے ساتھ ہی مصر اور ایران کے علاقوں سے جاگیرداری نظام اپنے اختتام کو پہنچا اور کسان کو مرکزی حیثیت مل گئی اور انہیں اراضی کا مالک بنا دیا گیا۔ ان علاقوں کی اراضی کو خراجی قرار دے کر حضرت عمرؓ نے عثمانؓ بن حنیف کو سواد (ایران) روانہ کیا تاکہ وہ علاقہ کی پیمائش کر کے وہاں پر خراج ادا کر سکیں۔ حضرت عمر کے خراج عائد کرنے اور وہاں کے باشندوں پر خراج مقرر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے خراج کو عمومی اور ہمہ گیر حیثیت دے دی اور اس شخص پر خراج عائد ہوتا جس کے قبضہ میں زمین کی مقررہ مقدار تھی خواہ وہ عورت، بچہ، مرد

آزاد اور غلام ہیں۔ خراج کے معاملہ میں سب برابر تھے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں تھا۔ خراج صرف ان زمینوں پر عائد تھا جن سے غلہ اور پھلوں کی پیدار حاصل ہوتی۔ رہائشی علاقے اور مکانات پر کسی قسم کا خراج عائد نہ ہوتا۔[۵۳] ابو عبید کی رائے یہ بھی ہے کہ فوجی طاقت کے ذریعے مفتوحہ علاقے کی زمین کے بارے میں فیصلہ امیر ریاست کی صوابدید پر ہے' وہ چاہے ایسے علاقے کو غنیمت قرار دے یا فئے قرار دے۔[۵۴] بعض آراء یہ بھی ہیں کہ امیر ریاست فوجی طاقت سے مفتوحہ علاقے کو غنیمت قرار دے' فئے قرار دے یا از راہ احسان وہاں کے باشندوں کو دے دے۔[۵۵]

امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ حضرت عمرؓ نے سابقہ غیر مسلم مالکوں کی ملکیت اراضی برقرار رکھی تھی۔ ان کو مقبوضہ اراضی پر مکمل مالکانہ حقوق حاصل تھے وہ ان زمینوں کی خرید و فروخت کر سکتے تھے' البتہ ان زمینوں پر سالانہ عائد شدہ ٹیکس (خراج) ادا کرنا لازم تھا۔[۵۶] ابن حزم کی رائے ہے کہ مفتوحہ اراضی کے بارے میں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امیر ریاست کو اختیار ہے چاہے تو یہ اراضی تقسیم کر دے چاہے تو وقف کر دے' اگر وقف کرے گا تو وہ انہیں غیر مسلموں کی ملکیت سمجھی جائے گی جو فتح سے پہلے مالک تھے۔[۵۷] علامہ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے سابقہ مالکوں کے پاس اراضی چھوڑ دی اس کی آمدنی عام مسلمانوں کے لئے وقف تھی' ان زمینوں کی بیع بھی جائز تھی اور ایسی خراجی زمینیں وراثت کے طور پر منتقل بھی کی جا سکتیں۔[۵۸] جبکہ امام مالک کی رائے میں خراجی زمین فروخت نہیں ہو سکتی۔[۵۹] بغرض ٹیکس جاگیریں اور عام ملکیتی زمینوں میں کوئی فرق نہیں جاگیروں پر عشر لاگو ہو گا اگر حکومت مناسب سمجھے تو عشر دوگنا بھی کر سکتی ہے۔ اگر حکومت ان زمینوں کی حیثیت کو خراجی زمینوں جیسی کرنا چاہے تو اسے اختیار حاصل ہے۔ لیکن خراجی ٹیکس ادا کرتے وقت یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ جاگیریں خراجی نہروں سے سیراب ہوتی ہیں۔[۶۰]

اسلام ایک انقلابی اور آتشیں فکر کا نام ہے جو بالخصوص فاروقی دور میں تمام تر رعنائیوں اور برنائیوں کے ساتھ عرب و عجم کے دل و دماغ میں سما گیا۔ مسلم فاتحین نے نہ ایران میں اور نہ ہی مصر میں غریب کسانوں سے زمینیں چھینیں بلکہ ان کو سابقہ جاگیرداروں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر باعزت شہری بنایا اسلامی حکومت میں قانون کے سامنے مسلم اور غیر مسلم برابر تھے۔ دونوں کے بنیادی حقوق یکساں تھے۔ دونوں ہی زمین کی ملکیت رکھنے میں آزاد تھے۔ غیر مسلموں کی زمین' ذات' زبان'

مذہب اس طرح سے محفوظ تھے جیسا کہ مسلمانوں کے۔ ایک مرتبہ فوج نے شام میں ایک غیر مسلم کے کھیت کو روند ڈالا۔ جس کی وجہ سے فصل خراب ہو گئی اس کی شکایت پر حضرت عمرؓ نے اسے سرکاری خزانے سے دس ہزار درہم کا معاوضہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات بہت تیزی سے بڑھیں۔ فتح مصر کے وقت کاشت کاروں نے مسلمانوں کا ساتھ اس لئے دیا کیونکہ وہ جاگیردارانہ نظام کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ فتح کے بعد اسلامی حکومت نے مفتوحہ علاقے کے ان پسماندہ طبقوں کی زندگی میں معاشی انقلاب برپا کیا۔ ان لوگوں کی زندگی میں بہار آ گئی جبکہ استحصالی طبقہ اسلامی زرعی انقلاب کی وجہ سے ختم ہو گیا۔

اقطاع: اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد حکومت سے قطعہ زمین کا عطیہ اس کی متعدد قسمیں ہو سکتی ہیں۔ امیر ریاست جس شخص میں اہلیت و صلاحیت دیکھے تو وہ اسے عطا کر سکتا ہے اور یہ شخص اس اراضی کو آباد کرے گا۔ رسول اللہؐ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے انہیں لوگوں کو قطعات عطا فرمائے جس اس اراضی کو کاشت کرنے کی اہلیت رکھتے تھے جبکہ جاگیر کے معنی ہیں وہ گاؤں یا زمین جو بادشاہ کی طرف سے عطا ہوئی ہو۔ اس مضمون میں اقطاع کے بجائے لفظ جاگیر استعمال کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ علامہ عبداللہ، جلد اول، نفیس اکیڈمی، کراچی، ت۔ن، ۱۳۵

۲۔ محمد ابن اسماعیل بخاری، (ترجمہ انگریزی) ڈاکٹر محمد محسن خان، قاضی پبلیکیشن، لاہور، جلد سوم، ۱۹۷۹ء، ۳۲۶، فتح الباری، جلد ۵، صفحہ ۲۷۷، بحوالہ بخاری، ۳۲۶ و Muhammad Ibn Idris Kitab al-Umm Bulaq: al Matbaa Kubra al-Amiriyya, 1903,1904, Vol. III 270.

۳۔ محمد ابن اسماعیل بخاری، بحوالہ سابقہ۔

۴۔ ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی، اسلام آباد ادارہ تحقیقات اسلامی، ت۔ن، ۴۵۹

۵- Yahya ben Adam, Kitab al Kharaj, edited by A ben Shemesh Leiden E.J. Brill, 1967 Vol. I, 65.

۶- ابو عبید القاسم، بحوالہ سابقہ، ۴۴۲

۷- محمد ابن اسماعیل بخاری، بحوالہ سابقہ، ۳۷۹

Kitab Badaul Khalq, Hadis No. 3195, cited by in case Federation of Pakistan v/s Mrs. Riaz Latif, PLD 1990, Supreme Court, 99.

۸- ایضاً

۹- Mujma-ul-Arwad, Vol. IV, Page No. 75 cited by PLD, 1990 SC-99 Musnad Ahmad Vol. I 397 cited by PLD 1990 SC-99.

۱۰- PLD 1990, SC-99.

۱۱- ایضاً

۱۱(ا)- ابوالحسن بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ترجمہ ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۲۳۹

۱۲- ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، نظر ثانی غلام رسول، ترجمہ عبدالجلیل صدیقی، جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ت-ن، ۲۱۷ و الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۳۹ و یحییٰ بن آدم، بحوالہ سابقہ، ۳۵، یہ دونوں اشخاص یامین بن عامر و ابو سعید تھے۔

۱۳- Zia-ul-Haq, landlord and peasant in early Islam, Islamic Research Institute, 1977, 119.

۱۴- ابن ہشام، بحوالہ سابقہ، ۲۱۷، یحییٰ بن آدم، بحوالہ سابقہ، ۳۵

۱۵- احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، ترجمہ جلف اول، کراچی نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، جلد اول، ۵۶

۱۶- محمد ابن اسماعیل بخاری، بحوالہ سابقہ، ۳۰۳

۱۶(ا)- یحییٰ بن آدم، بحوالہ سابقہ، ۴۱

۱۷- احمد بن یحییٰ، بلاذری، بحوالہ سابقہ، ۵۶

۱۸۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۴۱

۱۹۔ احمد بن یحییٰ بلاذری، بحوالہ سابقہ، ۶۹

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً، ۹۴

۲۲۔ محمد ابن سعد، بحوالہ سابقہ، ۶۱

۲۳۔ ایضاً، ۴۴

۲۴۔ ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۴۴۳

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۲

۲۷۔ ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۴۴۳، ۴۴۷

۲۸۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۲

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ۶۷

۳۲۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۲، و ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۴۴۶، ۴۴۷

۳۳۔ ایضاً، ۲۶۳

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ یحییٰ بن آدم، بحوالہ سابقہ، ۶۸

۳۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ ملکیت زمین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۹ء، ۵۲

۳۷۔ یحییٰ بن آدم، بحوالہ سابقہ، ۶۲

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۲

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ابو عبید بحوالہ سابقہ، ۴۵۱ و الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۹

۴۲۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۶۹

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ الماوردی، بحوالہ سابقہ، ۲۷۰

۴۵۔ ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۴۴۶

۴۶۔ ایضاً، ۴۵۳

۴۷۔ قاضی عیاض سبل السلام، جلد سوم، ۸۶

۴۸۔ ضیاء الحق، بحوالہ سابقہ، ۱۵۲

۴۹۔ Jones A.H.M, The later Roman Empire, 284-602 Norman: University of Oklahoma Press, 1964, 773-778.

۵۰۔ ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۱۳۸

۵۱۔ ایضاً، ۱۸۵، ۱۸۶

۵۲۔ ابو یوسف، بحوالہ سابقہ، ۱۵۸، ۱۵۹

۵۳۔ ابو عبید، بحوالہ سابقہ، ۲۰۲

۵۴۔ ایضاً، ۱۹۱

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ PLD, 1990, SC-99.

۵۷۔ Ibn Hazm Kitab al Muhalla edited by Muhammad Khalil Harar Vol. 7 Cairo Matba al-Imam 1964 34

۵۸۔ ابن قیم، زادالمعاد، بحوالہ PLD 1990 SC-99.

۵۹۔ PLD, 1990, SC-99.

۶۰۔ ابو یوسف، بحوالہ سابقہ، حدیث نمبر ۲۳۳

Institute's Publications

1.	*Political Parties in Pakistan, 1947-1971*, (3 vols.), Dr. M. Rafique Afzal	Rs. Rs. Rs.	90/- 250/- 250/-
2.	*The Case for Pakistan*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
3.	*London Muslim League (1908-1928): A Historical Study*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
4.	*Making of Pakistan: The Military Perspectives*, Dr. Noor-ul-Haq	Rs.	150/-
5.	*The Frontier Policy of Delhi Sultans*, Dr. Agha Hussain Hamadani	Rs.	150/-
6.	*Newsletters in the Orient*, Dr. Abdus Salam Khurshid	Rs.	120/-
7.	*Quaid-i-Azam and Education*, Dr. S.M. Zaman (ed.)	Rs.	200/-
8.	*Islam in South Asia*, Dr. Waheed-uz-Zaman and Dr. M. Saleem Akhtar (eds.)	Rs.	450/-
9.	*Exporting Communism to India: Why Moscow Failed?* Dushka H. Sayid	Rs.	150/-
10.	*Multan: History and Architecture*, Dr. Ahmed Nabi Khan	Rs.	160/-
11.	*Pakistani Culture: A Profile*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	300/-
12.	*Muslim Ummah and Iqbal*, Dr. (Brig) Muhammad Ashraf Chaudhry	Rs.	250/-
13.	*Pakistan: A Religio-Political Study*, Dr. Shaukat Ali	Rs.	350/-
14.	*Islam and Democracy in Pakistan*, Dr. M. Aslam Sayid	Rs.	200/-
15.	*History of Sind (British Period 1843-1936)* Vol. I, Dr. Laiq Ali Zardari	Rs.	200/-
16.	*Modern Muslim India in British Periodical Literature (1843-1936)* Vol. I, Dr. K.K. Aziz	Rs.	480/-
17.	*Jamiyyat Ulama-i-Pakistan, 1948-79*, Mujeeb Ahmad	Rs.	150/-
18.	*Perspectives on Kashmir*, Dr. (Miss) K.F. Yusuf (ed.)	Rs.	350/-
19.	*Separation of Sind from Bombay Presidency*, (2 vols.) Dr. Hamida Khuhro	Rs.	120- 250/-
20.	*History of the Northern Areas of Pakistan*, Dr. A.H. Dani	Rs.	350/-
21.	*The Punjab Muslim Students Federation, 1937-47*, Dr. Sarfaraz Hussain Mirza	Rs.	250/-
22.	*N.W.F.P. Administration under British Rule, 1901-1919*, Dr. Lal Baha	Rs.	75/-
23.	*Thatta: Islamic Architecture*, Dr. A.H. Dani	Rs.	240/-